جناب سید امتیاز علی تاج

خلیفہ عبدالحکیم

خلیفہ عبدالحکیم مرحوم و مغفور کے متعلق اس بہت مختصر سے مضمون میں ایسی کوئی معلومات نہیں، جو اُن حضرات کے لیے نئی اور قابلِ قدر ہوں جنھیں بہت زیادہ وقت خلیفہ صاحب کے ساتھ گذارنے یا علمی خدمات سر انجام دینے میں ان کا شریکِ کار ہونے کا موقع میسر آچکا ہے۔ اسے لکھنے کی وجہ بس خلیفہ مرحوم سے میری عقیدت مندی اور ان کے متعلق گفتگو میں شریک ہونے کی آرزو سمجھ لیجیے۔ ایک بات البتہ میرے اُن کے تعلقات میں ضرور ایسی ہے جس میں خلیفہ صاحب کے عزیزوں کو چھوڑ کر میں اُن کے جاننے والوں میں سب پر نہیں تو اکثر پر ضرور فوقیت رکھتا ہوں اور وہ صرف اتنی ہے کہ میں خلیفہ صاحب سے متعارف بہت پہلے یعنی ۱۹۱۶ یا ۱۹۱۷ء میں ہوگیا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا تاجور نجیب آبادی مخزن ایڈیٹ کر رہے تھے، مولانا کی دلچسپی اور توجہ لکھنے والوں کی ایک نئی جماعت اپنی امداد کے لیے پیدا کرنے میں ناکام نہ رہی تھی۔ اُن نئے لکھنے والوں میں خلیفہ عبدالحکیم کا نام صفِ اوّل کے لکھنے والوں میں تھا۔ ان دنوں ان کا کلام مخزن میں شایع ہوا تو اس درجہ غیر معمولی سمجھا گیا کہ میں نے غالباً سالک صاحب کو کہتے سنا کہ اقبال کے بعد اب خلیفہ ہی قابلِ توجہ شاعر بنتا نظر آرہا ہے۔

خلیفہ صاحب سے اپنے متعارف ہونے کا حال بھی سُنا دوں۔ مسز سجاد حیدر سے ہم لوگوں کے خاندانی تعلقات تھے۔ اُن کے پھوپھی زاد بھائی میر افضل علی، "جو گودڑ کا لال" کی مصنفہ کے اکلوتے صاحبزادے تھے، اُس زمانے کے مخزن کے نامور مضمون نگاروں میں سے تھے۔ کئی حضرات کو اُن کے متعلق کہتے سُنا تھا کہ اُن کی اردو انشا میں گولڈ اسمتھ کے انگریزی اندازِ تحریر کی لذت ملتی ہے۔ میر افضل علی اور خلیفہ صاحب کے نہ جانے کب کے تعلقات تھے۔ میر صاحب وضع دار آدمی تھے۔ خاندانی مراسم کے خیال سے مہینے دو مہینے میں ایک بار ملنے ضرور آجاتے۔ ایک روز شام کے وقت یہی اپنے ساتھ خلیفہ صاحب کو لے آئے

اور انھوں ہی نے خلیفہ صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ اس وقت تک میرے ایک دو مختصر افسانے مخزن میں شایع ہو چکے تھے۔ آپ جانیئے، ابتدائی تحریریں شایع ہو چکنے کے بعد ایک سولہ سترہ سالہ ادیب کے نزدیک دنیا کا اہم ترین موضوعِ گفتگو اس کی اپنی تحریروں کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ توقع تھی کہ مخزن میں میرے افسانے پڑھنے اور میر افضل علی سے میرا نام سننے کے بعد خلیفہ صاحب میرے مختصر افسانوں کے متعلق تفصیل سے نہیں تو اختصار سے ضرور اظہارِ خیال فرمائیں گے لیکن مجھ سے مصافحہ کرتے وقت انھیں ایک تبسم کو کام میں لانے کے سوا اور کسی ضرورت کا مطلق احساس نہ ہوا۔ بڑی مایوسی ہوئی۔ نظر انداز کر دیا جانا جھنجھلا دینے والا طرزِ عمل ہوتا ہے۔ سہو کی صورت میں ایک مناسب وقت خلیفہ صاحب کو موضوعِ گفتگو بدلنے کے لیے دیا لیکن امید بر نہ آئی تو میں اکتا کر اٹھ کھڑا ہوا اور چل دیا۔ اس کے بعد خلیفہ صاحب اور ان کے کلام میں دلچسپی لینا میں نے انتقاماً ترک کر ڈالا۔

لیکن یہ صورتِ حالات زیادہ عرصہ نہ رہی کسی پارٹی میں خلیفہ صاحب سے اتفاقاً ملاقات ہوئی تو انھوں نے نہ صرف مجھے پہچان لیا بلکہ تپاک اور شفقت سے پیش آئے اور میرے مشاغل کے متعلق ایسی دلچسپی سے چند سوال کیے کہ تعلقات کا سارا کھچاؤ رفع ہو گیا۔

اس کے بعد طویل عرصے تک خلیفہ صاحب سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ پھر کسی سے سننے میں آیا کہ وہ حیدر آباد دکن چلے گئے ہیں۔ یہ بھی سنا کہ لاہور چھوڑنے اور دکن میں معلم بن جانے سے جو توقعات ادب اور شعر نے اُن کی ذات سے وابستہ کی تھیں اُن کے پورے ہونے کی امید اب نہیں رہی۔

لیکن ٹھیک یاد نہیں، برعظیم کی تقسیم سے پہلے یا بعد میں جب اُن سے ملاقات کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ اس دوران میں اُن کا کلام اگرچہ رسائل میں شایع نہیں ہوا مگر شعر وہ برابر کہتے رہے ہیں اور اُن کے کلام کی بیاض بہت معقول ضخامت اختیار کر چکی ہے بعض حضرات نے مجھ سے اُن کے کلام کی اشاعت کا تذکرہ بھی کیا ہے اور یہ خیال پیدا ہو چکا ہے تو میں سمجھتا ہوں اس کے عملی صورت اختیار کرنے میں شاید زیادہ وقت صرف نہ ہو۔

خلیفہ صاحب سے تعلقات پاکستان بننے کے بعد یکایک کچھ اس طرح بڑھے گویا ۱۹۱۶—۱۹۱۷ء کے بعد ملاقات نہ ہونے کے باوجود دلوں میں برابر پرورش پا رہے تھے۔ کچھ یہ بات بھی تھی کہ بخاری اور تاثیر سے میرے اور اُن کے دونوں کے گہرے تعلقات تھے۔ چنانچہ ان حضرات میں سے کسی کی

موجودگی میں جو ملاقاتیں ہوئیں، اُن کی بے تکلفی کی فضا، دونوں کی جسارتوں پر خلیفہ صاحب کی چشم پوشی یا تبسم یا نوک جھونک، باوجود میری احتیاط پسندی کے تکلف کے اس رکھ رکھاؤ پر اثر انداز ہو رہی تھی جو میرے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تھا۔ لیکن میں نے حتی الامکان اُن کی بزرگی اور اپنی خوردی کو کبھی نظر انداز نہ کیا اور مجھے یہ کہنے میں کبھی تامل نہیں کہ خلیفہ صاحب بھی ہمیشہ مجھ سے بزرگانہ شفقت سے پیش آتے رہے۔

اب خلیفہ صاحب سے تعلقات بڑھے تو اُن کی کئی خوبیاں مجھ پر منکشف ہوئیں۔ ایک تو دیکھا کہ کام کرنے کی صلاحیت اُن میں بہت زیادہ ہے۔ کئی بار شام کے وقت بھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ لکھنے میں انہماک سے مصروف ہیں۔ مَیں لکھنے میں مصروف ہوں، خیالات روانی سے آ رہے ہوں اور ملاقات کے لیے کوئی آ جائے تو باوجود کوشش کے اپنی بے کلی چھپانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ لکھنے کا سماں ایک بار درہم برہم ہو جائے تو اُسے دوبارہ پیدا کرنا میرے لیے آسان نہیں ہوتا۔ یہی خیال کر کے میں جب خلیفہ صاحب کو مصروف پاتا تو مخل ہونا پسند نہ کرتا مگر خلیفہ صاحب کی کیفیت عجیب تھی، اِدھر مَیں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، اُدھر اپنی مصروفیت طاق پر دھر گپ بازی کے لیے وہ یوں آمادہ ہو جاتے گویا میری ہی آمد کے منتظر تھے۔ کوئی اہم یا پیچیدہ مسئلہ پوچھیے تو متانت سے مدلّل جواب ضرور دیتے، ورنہ اپنے علم و فضل کے باوجود محض مخاطب کی تفریح کے لیے ایک مستقل تبسم کے ساتھ بات چیت ایسی ہلکی پھلکی کرتے کہ شاید اسے ہوائی کے نام سے یاد کرنا نامناسب نہ ہو۔ پر معنی ذو معنی الفاظ استعمال میں لانے کا خصوصیت سے شوق تھا۔ ایک بار پوچھا "اِن دنوں فلاں صاحب کا شام کا شغل کیا ہے؟" عرض کیا "برج"۔ برج کی رعایت سے فرمایا "گویا ہر شام کنہیا بن بیٹھتے ہیں۔ ساتھ گوپیاں بھی ہوتی ہوں گی؟" عرض کیا "کبھی کبھار، ورنہ عموماً "گوالے" ایسے جواب انھیں مرغوب تھے۔

اب لکھنے بیٹھا ہوں تو چھوٹی چھوٹی کئی باتیں یاد آ رہی ہیں۔ خلیفہ صاحب ایک زمانے میں مجلسِ ترقیِ ادب کے کرتا دھرتا تھے۔ اُن کی زندگی میں مَیں بھی اس کا ممبر نامزد ہو گیا تھا۔ مجلس میں ایک بار سب ممبروں سے پوچھا گیا کہ اُن کی رائے میں مجلس کو کیا کیا علمی و ادبی کام کس ترتیب سے ہاتھ میں لینے چاہئیں۔

مَیں نے اس موقع پر اُردو ڈراما کو ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی تجویز پیش کی، بتایا کہ ہمارے

ادب میں ڈراما کو آج تک شائستہ اعتنا نہیں سمجھا گیا۔ زبان اردو کی چھوٹی بڑی تاریخ کی جتنی بھی کتابیں شایع ہوئی ہیں، اُن سب میں ڈراما کا ذکر یا کیا نہیں گیا یا اتنا مختصر اور اتنا غلط کیا گیا ہے کہ نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ ادھر ایم۔ اے کے پہلے پرچے میں ناول کے ساتھ ڈراما بھی شاملِ نصاب ہے، ڈراما کے سوالوں کے جواب عموماً بے معنی یا ایسے کمزور ہوتے ہیں کہ پڑھ کر افسوس ہوتا ہے۔ اس کا شکوہ پروفیسروں سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ اردو میں ڈراما کا ٹیکسٹ ہی موجود نہیں۔ ایسی صورت میں ڈراما کی تاریخ یا تنقید کے متعلق طلبا کو کوئی اہم معلومات کیونکر بہم پہنچائی جا سکتی ہیں۔

مجلس کے شام کے اجلاس میں مَیں نے یہ تجویز پیش کی۔ صبح کو خلیفہ صاحب میرے ہاں موجود۔ فرمایا کہ تمھاری تجویز مجھے پسند آئی اور مجلس کے لیے یہ کام تم ہی کو کرنا ہوگا۔ مجھے اس بات سے بہت حیرانی ہوئی کہ یہ عالم اور فلسفی ڈرامے کو اہمیت دے رہا ہے! مگر یہ کام اتنا مشکل تھا کہ میں نے کہا "حضرت مجھے صرف ڈراما دیکھنے یا لکھنے کا شوق ہے، تلاش و تحقیق میرا میدان نہیں ہے۔ مجھے از راہِ کرم اس خدمت سے معاف ہی رکھیے تو مہربانی ہوگی۔" دس پندرہ منٹ کی بحث کے بعد فرمانے لگے "دیکھو جب تک یہ کام تم مانو گے نہیں، مَیں ہر روز تمھارے ہاں سے ہوتا ہوا دفتر جایا کروں گا۔" مَیں نے عرض کیا۔ "اسے تو مَیں دھمکی نہیں سمجھتا۔" مسکرا کر بولے "مگر کتنے دن نہیں سمجھو گے۔"

اگلے روز آپ پھر موجود۔ کار پھاٹک ہی میں کھڑی کر لی، ہارن بجایا، ملازم پہنچا تو مجھے بلوایا میں نے اترنے کے لیے کہا تو بولے "نہیں تم ہی کار میں بیٹھ جاؤ۔" میرے بیٹھتے ہی پھر وہی سوال کہ کیا طے کیا؟ کرو گے ڈراما مرتب؟ مَیں نے بڑے خلوص سے عرض کیا کہ "صاحب بڑا بکھیڑے کا اور بہت طویل اور محنت طلب کام ہے، اس میں پڑ کر میرا لکھنا پڑھنا سب بند ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں ڈرامے پھیکے پھیکے ہیں۔ مرغی جان سے جائے گی، کھانے والے کو مزہ نہ آئے گا۔"

اگلی صبح خلیفہ صاحب پھر موجود۔ وہی پھاٹک میں کار۔ ہارن کی وہی پوں پوں۔ کار میں بیٹھ جانے کی پھر فرمائش اور وہی تقاضا۔ مختصر یہ کہ چند ہی روز بعد میں نے ہار مان لی۔ ڈراما مرتب کیے جانے کی قرارداد مجلس میں منظور ہوئی اور یہ کام باقاعدہ میرے سپرد کر دیا گیا۔

خلیفہ صاحب کے اصرار نے یہ کام سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ جسٹس رحمان کی مشفقانہ تاکیدیں اور یاد دہانیاں اس کام میں انہماک سے مصروف کرتی رہیں۔ چنانچہ بہت سا، اور زیادہ مشکل

کام ختم کر چکا ہوں ۔ یوں سمجھیے آنکھوں کی سوئیاں باقی رہ گئی ہیں ۔ جس روز اس کام کی جلد اوّل خلیفہ صاحب کے نام معنون کر لوں گا ، اُس روز اطمینان کا سانس لے کر اپنے مرحوم مشفق کی روح کے سامنے سرخرو ہو سکوں گا ۔

تصانیف ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم

حکمتِ رومی

یہ کتاب مولانا جلال الدین رومی کے افکار و نظریات کی حکیمانہ تشریح ہے ۔ جس میں ماہیتِ نفس ، عقل و عشق ، وحی و الہام ، وحدتِ وجود ، احترامِ آدم ، صورت و معنی ، عالم اسباب اور جبر و قدر کے بارے میں رومی کے خیالات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے ۔

قیمت : ۳٫۵۰ روپے

اسلام کا نظریۂ حیات

یہ خلیفہ صاحب کی انگریزی کتاب " اسلامک آئیڈیالوجی " کا ترجمہ ہے جس میں اسلام کے اساسی اصول و عقائد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلامی نظریۂ حیات کی تشریح جدید انداز میں کی گئی ہے ۔

قیمت : ۸ روپے

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور (پاکستان)